Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 37, Sr.No.105, 2016 pp 71 - 86

مجلۂ تحقیق
مجلۂ کلیۂ علوم اسلامیہ شرقیہ
جلد ۳۷، اکتوبر۔دسمبر ۲۰۱۶ء، شمارہ ۱۰۵

شہریار کی شعری کائنات

نبیل مشتاق☆

Abstract:

Shehryar contributed in Urdu Literature as a poet, writer, editor, compiler, translator and researcher. More or less 35 years of his life were spend in Aligarh University as a student,scholar, teacher and administrator. He not only got his higher education from Aligarh University but also started his literary activities from the same congenial environment. The Poetry of Shehryar were also sung as films songs. The poetry of Shehryar is unforgettable because of its idiosyncratic approaches, tones and topics. This Article encapsulate the start and growth of Shehryar's poetry,the introduction of his anthologies, the artistic and intellectual qualities of his poetry, translations of his poetry, his compositions for the films and his status in the Urdu poetic domains.

Keywords: Ism-e- Azam, Satwan Dar, Hijr Kay Mausam, Khawab Ka Dar Band Hai, Neend Ki Kirchain, Sham Honay Wali Hai,

شہریار نے عنوانِ شباب ہی میں شعر کہنا شروع کر دیے تھے اور ان کا یہ شوق تا دم مرگ (۲۰۱۲ء) جاری رہا۔ ان کی شاعری کے چھ شعری مجموعے منظر عام پر آئے۔ جن میں ''اسم اعظم''، ''ساتواں در''، ''ہجر کے موسم''، ''خواب کا در بند ہے''، ''نیند کی کرچیں'' اور ''شام ہونے والی ہے'' شامل ہیں۔شہریار کا اصل نام کنور اخلاق محمد خاں تھا اور وہ ۱۶ جون ۱۹۳۶ء کو ہندوستان کے ضلع بریلی کے قصبہ آنولہ میں پیدا ہوئے۔شہریار کی زندگی کا ایک طویل عرصہ (جو کم وبیش ۳۵ سال پر محیط ہے) بحیثیت طالب علم اور معلم و منتظم علی گڑھ یونیورسٹی میں گزرا۔علی گڑھ یونیورسٹی علمی و ادبی سرگرمیوں کا مرکز رہی ہے

☆ لیکچرر اردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج فار بوائز، سٹیلائیٹ ٹاؤن، راولپنڈی۔

یہاں اُنہیں بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔ بعض روایات کے مطابق انہوں نے شعر گوئی کا آغاز بھی علی گڑھ یونیورسٹی کی علمی فضا ہی سے کیا تھا۔ بیدار بخت کے مطابق ''خلیل الرحمٰن اعظمی کی دوررس نگاہ نے کنور اخلاق محمد خاں کی خداداد طبعی شاعری کو دیکھ لیا تھا۔ انہیں شعر کہنے کی ترغیب دی۔'' (۱) اعظمی صاحب نے جہاں شہریار کو شعر کہنے کی ترغیب دی، وہیں ان کی شعری تربیت میں بھی کردار ادا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ شہریار کی شاعری پر کافی حد تک اعظمی صاحب کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ اعظمی صاحب کے شعری مجموعہ ''نیا عہد نامہ'' سے منتخب کی گئی دو نظموں ''رفتگاں'' اور ''خوابوں سے ڈر لگتا ہے'' کے اشعار ملاحظہ ہوں:

دروازے اداس اور گم سم دہلیز کو چپ سی لگ گئی ہے
کیوں دور سے ان کے قہقہوں کی آتی نہیں آج کوئی آواز
اب کوئی نہ انگلیوں کی جھنکار نے قدموں کی کوئی راگنی ہے (۲)

☆

بھوک کی آگ جو بجھتی ہے تو نیند آتی ہے نیند آتی ہے تو کچھ خواب دکھاتی ہے مجھے
خواب میں ملتے ہیں کچھ لوگ بچھڑ جاتے ہیں ان کی یاد اور بھی رہ رہ کے ستاتی ہے مجھے (۳)

اعظمی صاحب کے یہ اشعار اداسی و تنہائی کا شکار، ماضی کی یادوں سے زخم خوردہ، خوشیوں کے متلاشی، زندگی سے غیر مطمئن اور مایوس و ناامید انسان کی کتھا ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اعظمی صاحب کا لہجہ حزنیہ اور غنائی رنگ لیے ہوئے ہے۔ شہریار کی شاعری بھی ایسے ہی جذبوں اور انداز سے خالی نہیں ہے۔ ان کی شاعری پر بھی اداسی و ناامیدی کی فضا چھائی ہوئی ہے۔ ان کے یہ اشعار اس بات کا ثبوت ہیں:

☆

زندگی بھی مرے نالوں کی شناسا نکلی دل جو ٹوٹا تو مرے گھر میں کوئی شمع جلی
آج رستا ہے در و بام سے یہ کس کا لہو میری گم گشتہ تمناتری آہٹ تو ملی (۴)

☆

ایک سی بے رنگ صبحیں، ایک سی بے کیف شام
لے رہی ہے زندگی مجھ سے یہ کب کا انتقام (۵)

شہریار نے جب شعر کہنے کا آغاز کیا تو اپنے اصل نام ''کنور اخلاق محمد خاں'' ہی کو بطور تخلص استعمال کیا جسے شاذ تمکنت نے ہدفِ تنقید بناتے ہوئے کہا کہ کنور اخلاق محمد خاں ایک '' قصباتی ''نام ہے۔ یہ تنقید شاعر کے ''شہریار'' بننے میں بنیادی محرک ثابت ہوئی اور انہوں نے اپنا تخلص بدل کر کنور اخلاق محمد خاں سے شہریار کر لیا۔ بعد میں شہریار ہی ان کا خاندانی نام بھی بن گیا۔ بیدار بخت لکھتے ہیں:

''جب شاذ تمکنت نے ان کے ''قصباتی'' نام پر اعتراض کیا تو کنور صاحب نے خلیل صاحب کے مشورے پر اپنا شعری نام شہریار کر لیا۔ اب شہریار ان کا خاندانی نام بھی

ہو گیا ہے۔''(۶)

شہریار نے شاذ تمکنت کی تنقید کے جواب میں اعظمی صاحب کی مشاورت سے 'شہریار' تخلص کا انتخاب کیا یعنی اعظمی صاحب نے جہاں ایک طرف انہیں شعر کہنے کی ترغیب دی وہاں دوسری طرف تخلص کے انتخاب میں معاونت بھی ان ہی کے حصہ میں آئی۔ ۱۹۶۰ء کی دہائی تک شہریار کی شاعری کئی ادبی مجلوں میں شائع ہونا شروع ہو چکی تھی اور ادبی دنیا ان کی اہمیت تسلیم کرنے لگی تھی۔ بیدار بخت کا یہ کہنا ہے کہ ''شاعر، شہریار سے میری پہلی ملاقات علی گڑھ میگزین میں ہوئی، ۱۹۶۰ء تا ۱۹۶۱ء میں چھپا تھا۔ ان کی دو نظمیں آل احمد سرور، اختر الایمان، سلام مچھلی شہری، منیب الرحمٰن اور خلیل الرحمٰن اعظمی کی نظموں کے ساتھ چھپنے کی وجہ سے خاص توجہ کی طالب ہوئیں، اور ان کے ادبی مرتبے کا خاطر خواہ رعب پڑا۔''(۷)

شہریار نے جس شعری سفر کا آغاز اعظمی صاحب کی مصاحبت و رہنمائی میں کیا تھا اس کے نتیجہ میں پہلا شعری مجموعہ ۱۹۶۵ء میں ''اسم اعظم'' کے عنوان سے منظرِ عام پر آیا۔ مجموعہ کا انتساب شہریار نے اعظمی صاحب کے نام یہ کہہ کر کہ 'عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں'' منسوب کیا۔ شہریار کا یہ عمل اعظمی صاحب سے قلبی عقیدت کا پتہ دیتا ہے اور ان کی یہ عقیدت ایسی تھی جیسی شاید امیر خسرو کو اپنے پیر و مرشد نظام الدین اولیا سے رہی ہوگی۔ (۸) شہریار کی شاعری کا ایک انتخاب ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی نے ''دھند کی روشنی'' کے عنوان سے ۲۰۰۳ء میں چھاپا جس کے دیباچہ میں شہریار نے لکھا کہ ''میں جو کچھ بھی ہوں جیسا بھی ہوں وہ صرف اور صرف خلیل الرحمٰن اعظمی کا فیضان ہے۔''(۹) شاعر نے ایک نظم بعنوان ''خلیل الرحمٰن اعظمی کی یاد میں'' لکھی۔ اس نظم کے یہ تین مصرعے شہریار اور اعظمی صاحب کے تعلق کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں:

دھول میں لپٹے چہرے والا
میرا سایہ
کس منزل، کس موڑ پہ بچھڑا (۱۰)

شہریار اور اعظمی صاحب کی یہ عقیدت یک طرفہ نہ تھی اور اس کا ثبوت یہ بات ہے کہ اعظمی صاحب نے ۱۹۵۷ء میں جب اپنی کتاب ''اردو میں ترقی پسند ادبی تحریک'' شائع کی تو اس کا انتساب بھی شہریار کے نام کیا۔ شہریار کا شعری مجموعہ ''اسم اعظم'' اور اعظمی صاحب کا شعری مجموعہ ''نیا عہد نامہ'' تقریباً ایک ہی عرصے میں چھپے تھے۔ راہی معصوم رضا کا دونوں حضرات کے مجموعوں کے بارے میں طنزاً یہ کہنا تھا کہ ایک نے اپنے کلام کو ''اسم اعظم'' اور دوسرے نے ''انجیل مقدس'' کا نام دیا ہے۔ جب کہ ''اسم اعظم'' کی شاعری کے بارے میں ندا فاضلی کا تجزیہ بھی شائع ہوا جس میں وہ ان خیالات کا اظہار کرتے ہیں، ''اسم اعظم'' ایک نئے اور اچھے شاعر کے تجربات و احساسات کا پہلا خوبصورت کتابی روپ ہے اس میں زندگی کے اوپری پردوں کے پیچھے ہونے والے ڈرامے کی راز داری کی لے تو مدھم ہے لیکن تاثر کی دھیمی دھیمی آنچ اور فکر و خیال کی تازگی ہر جگہ نمایاں ہے۔''(۱۱) فاضلی صاحب نے شاعر کی قابلیت کو سراہا ہے۔ یہ حقیقت

مسلّم ہے کہ شہریار کی شاعری ان کی زندگی کے تجربات واحساسات کا نچوڑ ہے۔ان کی شاعری میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جو ان کی زندگی کے تجربات کا لفظی عکس ہیں۔ان کے پہلے شعری مجموعہ ''اسم اعظم'' کا پیش لفظ ڈاکٹر وحید اختر نے لکھا تو انہوں نے شہریار کو 'اپنے خوابوں کی دنیا کا بھٹکا ہوا مسافر' اور ''نئے زمانے کی آواز'' قرار دیا (۱۲)۔شہریار کی شاعری کی روشنی میں وہ 'اپنے خوابوں کی دنیا کا بھٹکا ہوا مسافر' ہی معلوم ہوتا ہے۔یہ مجموعہ ''اسم اعظم'' شاعر کی شعری کائنات کا پہلا روشن ستارہ تھا۔

۱۹۶۹ء میں شہریار کی شاعری کا دوسرا مجموعہ بعنوان 'ساتواں در' شب خون کتاب گھر، الٰہ آباد سے شائع ہوا۔یہ مجموعہ 'صدیق احمد صدیقی'' کے نام معنون کیا گیا۔شعری مجموعہ ''ساتواں در'' کے آخری چند صفحات ''حرف تازہ'' کے عنوان سے شہریار کی بیگم نجمہ شہریار کے نام کیے گئے ہیں۔''حرف تازہ'' کے حصے میں زیادہ تر جو نظمیں اور غزلیں ہیں ان کو پڑھ کر یہ گمان ہوتا ہے کہ شہریار نے نجمہ سے وابستہ زندگی کی یادوں کو ان نظموں اور غزلوں میں سمویا ہے۔اس مجموعہ پر شہریار کو اتر پردیش اردو اکادمی نے انعام بھی دیا۔

شہریار کا تیسرا شعری مجموعہ ''ہجر کے موسم'' کے عنوان سے ۱۹۷۸ء میں چھپا اس شعری مجموعہ کی نظمیں اور غزلیں سچ میں 'ہجر کے موسم' ہی کی کہانی معلوم ہوتی ہیں۔'ہجر کا موسم' محبوب سے جدائی کا موسم تصور کیا جاتا ہے اور اس مجموعہ میں محبوب سے جدائی کے لمحات کا ذکر بھی چھیڑا گیا ہے۔شعری مجموعہ کا انتساب نجمہ شہریار کے نام ہے اور انتساب میں یہ شعر درج ہے:

آنکھوں میں تیری دیکھ رہا ہوں میں اپنی شکل
یہ کوئی واہمہ، یہ کوئی خواب تو نہیں

شعری مجموعہ ''ہجر کے موسم'' کا دیباچہ ڈاکٹر خلیق انجم نے تحریر کیا جس میں وہ لکھتے ہیں کہ ''شہریار کے لب ولہجے پر زندگی کی ناہمواریوں، ناکامیوں اور یاسیت کی تلخی اور درشتی کی گہری پرچھائیاں ہیں۔''(۱۳) شہریار کی زندگی کی ناہمواریوں اور مایوسیوں کا اظہار کافی حد تک اس شعری مجموعہ میں دیکھا بھی جاسکتا ہے۔۱۹۸۵ء میں شہریار کی شاعری کا چوتھا مجموعہ ''خواب کا در بند ہے'' کے عنوان سے آل احمد سرور کے دیباچے کے ساتھ شائع ہوا۔مجموعہ کا آغاز نظم ''خواب کا در بند ہے'' سے کیا گیا ہے۔جس کو پڑھ کر یہ احساس غالب آتا ہے کہ شاعر ہجر کے موسم کے ہاتھوں اس قدر مجبور اور بے بس ہو گیا ہے کہ اب اس کا دل خواب دیکھنے سے بھی اذیت اور تکلیف محسوس کرتا ہے۔نظم ''خواب کا در بند ہے'' کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

میرے لیے رات نے
آج فراہم کیا
ایک نیا مرحلہ
نیندوں سے خالی کیا
اشکوں سے پھر بھر دیا

کاسہ مری آنکھ کا
اور کہا کان میں
''میں نے ہر اک جرم سے
تم کو بری کر دیا
میں نے سدا کے لیے
تم کو رہا کر دیا
جاؤ، جدھر چاہو تم
جاگو کہ سو جاؤ تم
خواب کا در بند ہے'' (۱۴)

''خواب کا در بند ہے'' کی شاعری حقیقت میں انسانی زندگی میں مایوسی اور ناامیدی کے سبب خوابوں کے در بند ہونے کا شاعرانہ اظہار ہے۔ یہ ایک ایسے انسان کی شاعری ہے جو خوابوں سے بیزار اور مایوس ہو چکا ہے۔ اسے نیند نہیں آتی اور نیند سے دوری حقیقت میں خوابوں سے دوری کا سبب بنتی ہے ۔شعری مجموعہ ''خواب کا در بند ہے'' پر شہر یار کو ۱۹۸۷ء میں ساہتیہ اکادی کی طرف سے انعام سے بھی نوازا گیا۔اس مجموعہ کا انتساب وجے کمار بجاج اور پہلے عشق کے نام کیا گیا۔قیاس کیا جاتا ہے کہ یہ پہلا عشق وہی علی گڑھ یونیورسٹی والی دوشیزہ تھی، جس کے لیے شہر یار نے یہ غزل ''ان آنکھوں کی مستی کے مستانے ہزاروں ہیں'' لکھی تھی اور یہ غزل بعد میں ایک فلم کے گانے کی صورت میں بہت مقبول بھی ہوئی تھی۔شہر یار نے ساہتیہ اکادمی کے اسرار پر کینیڈین شاعرہ لیزلی لاوین کے ساتھ مل کر اپنے مجموعہ ''خواب کا در بند ہے'' کا انگریزی ترجمہ بھی کیا۔یہ ترجمہ کتابی صورت میں ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا۔شہر یار جب ۱۹۸۷ء میں علی گڑھ یونیورسٹی میں پروفیسر کے عہدہ پر فائز ہوئے تو ان کے خیال میں ان کی شاعری ہی انہیں پروفیسر کے منصب تک پہنچانے میں کامیاب ہوئی تھی۔لیکن شہر یار کی اس بات سے بیدار بخت نے اختلاف کیا ہے:

''شہر یار کا یہ کہنا ہے کہ وہ صرف اپنی شاعری کی وجہ سے پروفیسر بنے۔میرا خیال ہے کہ وہ اپنی دوسری ادبی خدمات کے تخمینے میں بخل سے کام لے رہے ہیں۔انہوں نے ادبی مضامین بھی لکھے ہیں، ترجمے بھی کیے ہیں کتابیں بھی مرتب کی ہیں اور اپنی تمام ادبی زندگی میں ادبی رسالوں کی ادارت بھی کی ہے۔'' (۱۵)

یہ حقیقت تو بجا ہے کہ شہر یار صرف شاعر ہی نہیں تھے، بلکہ کثیر الجہت شخصیت کے مالک ادیب اور انسان تھے انہوں نے بطور مصنف، مقالہ نگار، مرتب ومدون، مدیر، موسیقار اور مترجم کے بھی ادبی کام کیے۔لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ محکم ہے کہ جو عزت اور مقام ومرتبہ بطور شاعر انہیں ملا وہ کسی اور ادبی جہت کی وجہ سے نصیب نہیں ہوا۔انہوں نے ابوالکلام قاسمی کے ساتھ مل کر اعظمی صاحب کے شعری کلیات ''زندگی

اے زندگی' کی ترتیب و تدوین کا فریضہ بھی انجام دیا۔ اعظمی صاحب کے تحقیقی و تنقیدی مضامین کو دو جلدوں میں مرتب کر کے کتابی صورت میں بھی شائع کروایا۔ ن م راشد کی شخصیت اور شاعری کے فن سے متعلق کتاب بھی تحریر کی۔ جبکہ بحیثیت مدیر ''اردو ادب''، ''ہماری زبان'' اور ''شعر و حکمت'' جیسے ادبی مجلّوں کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیے۔ یہ سب ان کی مختلف الجہت ادبی شخصیت کا ثبوت ہے۔

۱۹۹۵ء میں شہریار کی شاعری کا پانچواں مجموعہ ''نیند کی کرچیں'' کے عنوان سے شائع ہوا جس کا دیباچہ شمس الرحمٰن فاروقی نے تحریر کیا۔ مجموعہ کا انتساب و جے کمار بجاج اور شہریار کے بیٹے فریدوں کے نام ہے۔ مجموعہ میں شامل غزلیں اور نظمیں اس تاثر کی آئینہ دار ہیں کہ شاعر کی نیند اب کرچیوں کی صورت بکھر چکی ہے اور اس کا ذہنی و قلبی سکون تباہ ہو چکا ہے۔ شہریار کا چھٹا اور آخری شعری مجموعہ ''شام ہونے والی ہے'' ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا جس میں علی گڑھ یونیورسٹی کی ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد کی شاعری شامل ہے۔ مجموعہ میں موجود شاعری کا مرکزی نقطہ یہ ہے کہ اب زندگی کی شام ہونے والی ہے اور زندگی کا موت سے اٹوٹ رشتہ قائم ہونے کے قریب ہے۔ مجموعہ کا دیباچہ خود شہریار نے لکھا اور انتساب و جے کمار بجاج کے نام کیا۔

شہریار کے شعری مجموعوں ''اسم اعظم''، ''ساتواں در''، ''ہجر کے موسم''، ''خواب کا در بند ہے''، ''نیند کی کرچیں'' اور ''شام ہونے والی ہے'' کے عنوانات ہی اپنے اندر ایک معنوی گہرائی، فلسفہ اور پُر اسراریت لیے ہوئے ہیں۔ پہلے شعری مجموعہ ''اسم اعظم'' سے شروع ہو کر آخری شعری مجموعہ ''شام ہونے والی ہے'' تک کا سفر انسانی زندگی کے جنم لینے سے موت تک کے واقعات کا نقشہ کھینچ رہا ہے۔ انسانی زندگی کا آغاز 'کن' کہنے یعنی اسم اعظم سے ہوتا ہے۔ 'کن' کہنے اور تخلیقِ آدم کے بعد اس سفر میں کبھی خوشیوں اور امیدوں کے 'ساتوں در' مایوسی و ناامیدی کے ہاتھوں بند ہو جاتے ہیں اور کبھی یاسیت کی فضا اتنی طویل ہوتی ہے کہ 'ہجر کے موسم' کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ ہجر کا یہ موسم انسانی زندگی کو روگ لگا دیتا ہے اور یہ روگ انسانی آنکھوں سے 'نیندیں کرچیوں کی صورت' بکھیر کر، خوابوں کا ناطہ انسان اور نیند سے توڑ دیتا ہے۔ جب نیند اور انسان کا تعلق کمزور پڑ جاتا ہے تو 'خوابوں کے در بند' ہو جاتے ہیں۔ خوابوں سے بے ربطی انسانی زندگی کے لیے موت کی علامت بن کر اپنا اثر دکھاتی ہے اور یہی بے ربطی، انسانی زندگی کی شام ہونے کا سبب بھی بن سکتی ہے۔ مجموعہ ''شام ہونے والی ہے'' کچھ ایسی ہی نظموں اور غزلوں کا پیکر ہے۔ ان نظموں اور غزلوں میں زندگی کی شام اور موت کی صبح آتے دکھائی گئی ہے۔ قاسمی صاحب نے شہریار کے مجموعہ ''اسم اعظم'' سے ''نیند کی کرچیں'' تک کے سفر کو کچھ اس انداز میں بیان کیا ہے:

> ''اسم اعظم'' سے ''نیند کی کرچیں'' تک کا شعری سفر جہاں شہریار کے ضبطِ نفس اور تہذیب جذبات پر دال ہے وہیں.... زندگی کی سچائیاں ان کے یہاں ایک خاص تبدیلی اور تعمیم کے ساتھ نمودار ہوتی ہیں اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ ان کی شاعری کا سفر خطِ مستقیم کے بجائے ارتقائی منزلوں کا سفر ہے۔'' (۱۵)

یعنی قاسمی صاحب کی یہ رائے اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ شہریار نے زندگی کی سچائیوں اور تلخ حقیقتوں کو شاعرانہ انداز میں بیان کیا ہے۔شہریار کی شاعری کا قدیم کلیات ''حاصل سیر جہاں'' کے عنوان سے ۲۰۰۱ء میں شائع ہوا تھا لیکن اس میں آخری شعری مجموعہ ''شام ہونے والی ہے'' کا کلام شامل نہیں تھا۔اس کا عنوان اعظمی صاحب کے اس شعر سے لیا گیا تھا:

اس نتیجے پہ پہنچتے ہیں،سبھی آخر میں
حاصلِ سیر جہاں کچھ نہیں،حیرانی ہے

شہریار کی شاعری کا ایک انتخاب ''میرے حصے کی زمیں'' بھی ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا تھا اور یہ انتخاب شہریار نے خود اپنی نگرانی ہی میں ترتیب دلوایا تھا۔انتخاب میں شہریار کے تمام شعری مجموعوں کی غزلیں شامل تھیں سوائے آخری شعری مجموعہ ''شام ہونے والی ہے'' کی غزلوں کے۔شہریار کا تمام دریافت شدہ کلام ''کلیات شہریار'' کی صورت میں ایک جگہ ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا۔اس کلیات میں آخری شعری مجموعہ ''شام ہونے والی ہے'' کا کلام بھی موجود ہے،انتساب وجے کمار بجاج،بیدار بخت اور ہمایوں شہریار کے نام ہے۔جب کہ دیباچہ خود شہریار اور پیش لفظ بیدار بخت کے قلم سے برآمد ہوا ہے۔کلیات میں تقریباً ۲۹۴ نظمیں اور ۲۴۶ غزلیں شامل ہیں۔''کلیات شہریار'' کے فلیپ پر یہ غزل درج ہے:

یہ کیا جگہ ہے دوستو، یہ کون سا دیار ہے   حدِ نگاہ تک جہاں غبار ہی غبار ہے
ہر ایک جسم روح کے عذاب سے نڈھال ہے   ہر ایک آنکھ شبنمی، ہر ایک دل فگار ہے(۱۶)

غزل کے ان اشعار سے شاعر کے ذہن وقلب کے مرکزی نقطہ تک رسائی آسان ہوگئی ہے۔شاعر کو حدِ نگاہ تک ہر طرف ناامیدی اور مایوسی کا غبار ہی غبار پھیلا ہوا دکھائی دیتا ہے جس نے انسانی منزل کو دھندلا کر جسم وروح کو اضطرابی کیفیت سے دوچار کر دیا ہے۔انسان کا قلب زخمی اور آنکھیں پرنم رہتی ہیں۔شہریار کی شاعری میں غم اور دکھ کے گہرے سائے ہیں۔ان کے نزدیک انسانی زندگی کے خاتمے تک زندگی کے غموں سے چھٹکارا ممکن نہیں ہوسکتا اور یہ غم انسانی زندگی پر حاوی ہیں۔یہاں شہریار کافی حد تک گوتم بدھ کے تصورِ غم سے متفق نظر آتے ہیں۔گوتم بدھ نے بھی غموں کو زندگی کی اصل حقیقت اور زندگی میں غموں کو خوشیوں پر حاوی قرار دیا ہے:

جنوں کے نغمے، وفاؤں کے گیت گاتے ہوئے
ہماری عمر کٹی زخمِ دل چھپاتے ہوئے

بچھڑے لوگوں سے ملاقات کبھی پھر ہوگی   دل میں امید تو کافی ہے یقیں کچھ کم ہے

شہریار کا لہجہ اور انداز غموں کے اس بیان میں حزنیہ لَے اور آہنگ لیے ہوئے ہے۔ان کی انفرادیت،رویوں اور لہجوں پر روشنی ڈالتے ہوئے قاسمی صاحب لکھتے ہیں:

''آج سے تقریباً تیس پینتیس سال قبل،شہر یار نے اپنے تخلیقی سفر کا آغاز بعض انفرادی اور امتیازی رویوں کے ساتھ کیا تھا۔یہی سبب تھا کہ شروع سے ہی ان کے لہجے کو بڑی آسانی کے ساتھ دوسرے معاصر شعری لہجوں سے الگ کیا جا سکتا تھا۔یوں تو ان کا دھیما حزنیہ لہجہ اور سرگوشی کی کیفیت ان کی نظموں میں بھی نمایاں تھی،لیکن ان کی غزلوں میں اس لہجے کو محض پہچانا ہی نہیں گیا بلکہ بہت جلد اسے امتیاز اور اعتبار حاصل ہو گیا۔''(۱۷)

قاسمی صاحب کے نزدیک شہر یار نے شاعری کا آغاز بعض انفرادی اور امتیازی رویوں سے کیا،لیکن وہ انفرادی اور امتیازی رویے کیا تھے؟اس بارے میں قاسمی صاحب کا قلم خاموش ہے۔ہاں البتہ آگے چل کر یہ ضرور بتاتے ہیں کہ دھیمے حزنیہ لہجہ اور سرگوشی کی کیفیت نے شہر یار کی انفرادیت منوانے میں اہم کردار ادا کیا۔نظموں کے برعکس غزلوں میں یہ لہجہ اور کیفیت زیادہ توانا ہے۔غزلوں کے اشعار:

شکوہ کوئی دریا کی روانی سے نہیں ہے
رشتہ ہی مری پیاس کا پانی سے نہیں ہے

☆

یا رتجگوں میں شامل کچھ خواب ہو گئے ہیں
چہرہ کسی افق کا یا پھر ابھر رہا ہے

☆

آندھیاں آئیں تو سب لوگوں کو معلوم ہوا
پرچمِ خواب زمانے میں نگوں کتنا ہے

☆

یہی ہے وقت کہ خوابوں کے بادباں کھولو
کہیں نہ پھر سے ندی آنسوؤں کی گھٹ جائے

شہر یار کے ان اشعار میں حزنیہ لہجہ اور سرگوشی کی کیفیت دھیمے دھیمے خوبصورت انداز میں موجود ہے جو قاسمی صاحب کی رائے کو تقویت بخشتی ہے۔قاسمی صاحب نے خواب اور نیند کے استعاروں کو،شہر یار کی شاعری کے استعاراتی نظام کے بنیادی استعارے قرار دیا ہے۔خواب،زندگی اور نیند،موت کے علامتی استعاروں کے روپ میں جلوہ گر ہے۔قاسمی صاحب کا کہنا ہے کہ ''ویسے اگر لہجے سے الگ ان کی شاعری کے بنیادی استعارے کے تعین کی کوشش کی جائے تو یہ اندازہ لگانے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی کہ خواب'اور خواب کے حوالے سے نینداور بیداری کے الفاظ ان کا پورا استعاراتی نظام مرتب کرتے ہیں۔''(۱۸)یعنی 'خواب' اور 'نیند' کے استعارے ہی ان کے استعاراتی نظام کی جان ہیں۔

شہر یار کی شاعری میں خواب اور نیند کے استعاروں کے علاوہ وقت،سفر،یاد،تنہائی،بیداری، ہجر اور غم کے استعارے بھی اپنا وجود رکھتے ہیں۔یہ استعارے جہاں غزلوں کا حصہ بنیں ہیں،وہیں شہر یار کی نظمیں بھی ان استعاروں کے تڑکے سے خالی نہیں رہیں۔شہر یار کی شاعری کی ایک خاص خوبی ان کی کم بیانی

اوراختصار بھی ہے۔شمس الرحمٰن فاروقی کی تحقیق کے مطابق انہوں نے خود کو گفتگو یا دلچسپی کا محور بنانا سیکھا ہی نہیں۔(۱۹) وہ مختصر سخن کو پسند کرتے تھے اوران کی شاعری طول کلامی کے عیب سے پاک ہے۔ جہاں ان کی نظمیں کم بیانی اور اختصار سے بھرپور ہیں وہاں ان کی غزلیں بھی مختصر سخن کی عملی تصویریں پیش کر رہی ہیں۔شہریار نے خود اعتراف کیا ہے کہ ''طول کلامی ءنثر کا میں کبھی قائل نہیں رہا۔''(۲۰) ان کی بہت سی نظمیں تین مصرعوں سے لے کر دس مصرعوں میں مکمل ہو جاتی ہیں اوران مختصر نظموں میں بھی ایک جہانِ معانی موجود ہوتا ہے۔شہریار کی مختصر نظموں ''فرقہ پرستی''،اور''جینے کی ہوس'' کے اشعار ملاحظہ کیجیے:

نیم پاگل لوگ
اس تعداد میں
کچھ اثر آئے مری فریاد میں (۲۱)

☆

سفر تیری جانب تھا
اپنی طرف لوٹ آیا
ہر اک موڑ پہ موت سے سابقہ تھا
میں جینے سے لیکن کہاں باز آیا (۲۲)

شہریار کی مختصر نظموں کی تعداد بہت زیادہ اور طویل نظمیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔شاعر نے آزاد،معریٰ اورنثری نظم کے تجربے بڑی مہارت سے کیے ہیں۔ان تجربوں سے نظموں میں چھوٹی بحروں کے استعمال سے خوب صورت آہنگ پیدا کیا گیا ہے۔ چھوٹی بحروں اور چھوٹے مصرعوں کی مدد سے شاعر ایسی طلسمی فضا تخلیق کرتا چاہتا ہے جو قاری کو سحر زدہ کر دے۔ وہ قاری کو اپنے لفظوں اور جذبوں کا ہم نوا بنا لیتا ہے۔آل احمد سرورشہریار کی مختصر نظموں اورغزلوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

''شہریار کی نظموں اورغزلوں میں پہلی خوبی جو مجھے نظر آئی وہ یہ کہ یہ طول کلامی کے عیب سے پاک ہیں۔ان مختصر احساس سے تھرتھراتی ہوئی اور جذبے سے بھرپور نظموں اورغزلوں میں دوسری خوبی یہ ہے کہ ان میں جدید نسل کے اس مجروح ذہن کے نقوش ہیں جو خوابوں اور حقیقتوں کے تصادم میں پس کر رہ گیا ہے۔''(۲۳)

سرور صاحب نے اپنی تحقیق میں ایک طرف شہریار کی شاعری کو طول کلامی کے عیب سے بری الذمہ قرار دیا ہے تو دوسری طرف ان کی شاعری کو جدید نسل کے اس 'مجروح ذہن' کے جذبات سے تعبیر کیا ہے جو خوابوں اور حقیقتوں کے تصادم میں الجھ کر حواس باختہ ہو بیٹھی ہے۔جس نسل کو اپنا مستقبل تاریک نظر آ رہا ہے۔سرور صاحب کی یہ رائے شہریار کی شاعری کی روشنی میں من وعن درست ثابت ہوتی دکھائی دیتی

ہے۔منیب الرحمٰن، سرور صاحب کی رائے کی تائید کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''گزشتہ دس سال میں جو شعراء منظر عام پر آئے ہیں ان میں شہریار کو ایک امتیازی خصوصیت حاصل ہے ان کا کلام چھوٹے چھوٹے تاثرات کا مجموعہ ہے۔ایسے تاثرات جو بظاہر سادہ ملبوس ہوتے ہوئے اپنے اندر فلسفیانہ سچائی رکھتے ہیں۔''(۲۴)

منیب الرحمٰن کے نزدیک شہریار کی شاعری 'چھوٹے چھوٹے تاثرات' کا مجموعہ ہونے کے ساتھ ساتھ سادہ زبان کے لبادے میں فلسفیانہ مضامین کی شان رکھتی ہے۔اختر الایمان نے پہلی مرتبہ مختصر نظموں کو اردو شاعری کا حصہ بنایا تھا لیکن ان کی مختصر نظمیں زیادہ مقبولیت حاصل نہ کر پائیں، شاید اس کا سبب ان کا کھردرا لہجہ اور سنگلاخ زمینیں تھیں۔ان کے مقابلے میں شہریار اور منیر نیازی کی نظموں کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔جس کا سبب شہریار اور منیر نیازی کا دلکش انداز، غنائیت اور حزنیہ لہجہ، زندگی سے قریب موضوعات، آسان و سادہ زبان اور زمینیں ہیں۔

شہریار کو علی گڑھ، اتر پردیش اور دہلی کے ادبی حلقوں اور مشاعروں میں کافی پذیرائی نصیب ہوئی اور اس کا سبب ان کا مخصوص ترنم اور موسیقیت تھی۔ان کی غزلیں جن مشاعروں اور محفلوں میں پڑھی جاتی تھیں ایک سماں باندھ دیتی تھیں۔ بہت سی غزلیں فلموں کے لیے گائی بھی گئیں۔بیدار بخت کے مطابق ''شہریار کی مقبولیت میں تھوڑا بہت ہاتھ ان کے دو چار فلموں کے گانوں کا بھی ہے۔''(۲۵) انہوں نے ایک غزل ''ان آنکھوں کی مستی کے مستانے ہزاروں ہیں'' لکھی جو بعد میں ایک فلم کے گانے کی صورت میں بہت مقبول ہوئی۔شہریار کی خاص وجہِ شہرت یہ غزل بھی ہے۔انہوں نے مظفر علی کی فلموں ''گمن'' اور ''امراؤ جان'' کے گانے بھی لکھے، اس کے علاوہ فلم ''انجمن'' کے گانے بھی تخلیق کیے اور یہ گانے معروف گائیکا شبانہ اعظمی نے گائے۔فلم ''گمن'' کے لیے جو دو غزلیں گائی گئیں وہ مجموعہ ''اسم اعظم'' سے لی گئی ہیں۔ان غزلوں سے اشعار:

سینے میں جلن آنکھوں میں طوفان سا کیوں ہے — اس شہر میں ہر شخص پریشاں سا کیوں ہے
دل ہے تو دھڑکنے کا بہانہ کوئی ڈھونڈے — پتھر کی طرح بے حس و بے جاں سا کیوں ہے

☆

گلاب جسم کا یونہی نہیں کھلا ہوگا — ہوا نے پہلے تجھے پھر مجھے چھوا ہوگا

☆

تیرے ملنے سے ملی درد کی دولت مجھ کو — تجھ سے ہوتی بھی تو کیا ہوتی شکایت مجھ کو

محمد شمس الحق کا کہنا ہے کہ ''امراؤ جان ادا''، ''فاصلے'' اور ''انجمن'' وغیرہ کے فلمی نغمے بھی شہریار ہی نے لکھے۔مختلف انجمنوں اور تنظیموں نے فلم ''امراؤ جان ادا'' کے گانوں پر انعامات بھی دیئے۔''(۲۶) لیکن فلم

''انجمن'' ریلیز نہ ہوئی اور نہ ہی اس فلم کے گانے شہریار نے اپنے شعری مجموعوں میں شامل کیے۔شہریار کا مخصوص اوردلکش صوتی آہنگ بھی ان کی مقبولیت کا اہم پہلو ہے۔ان کے ہاں بحریں دلکش صوتی آہنگ پیدا کرنے کا کامیاب ذریعہ ہیں۔ڈاکٹر وزیر آغا صوتی آہنگ اور تخلیق کے باہمی رشتہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''آہنگ ،فنون لطیفہ کے لیے اساسی حیثیت رکھتا ہے۔مگر ہوتا یوں ہے کہ جب اس پر جسم حرکت کرتا ہے تو فن کی صورت رقص کہلاتی ہے،جب آواز حرکت کرتی ہے تو موسیقی جنم لیتی ہے؛جب خطوط (Lines) اپنے اندر اس آہنگ کو سمو لیتے ہیں تو پھر تصویر ابھرتی ہے؛ اور جب الفاظ اور تصورات (Images) جنبش میں آتے ہیں تو شعر پیدا ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں فن کار کا تخلیقی عمل،اس آہنگ ہی سے اپنے لیے قوت کشید کرتا ہے۔جس شخص کی ذات میں آہنگ کا فقدان ہے یا جو شخص اسے مس کرنے پر قادر نہیں، وہ کبھی ایک فنکار کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا۔فن کاروں کے تجربات بھی اس بات کے شاہد ہیں کہ تخلیقی عمل کے دوران میں انھیں یوں لگتا ہے جیسے انھیں کسی پراسرار، غیر ارضی آہنگ نے اپنی گرفت میں لے لیا ہے اور پھر ان کی ساری شخصیت اس میں یکسر جذب ہوکر،ایک نئی تخلیق میں ڈھلنے لگتی ہے۔''(۲۷)

شہریار کے آہنگ میں یہ تمام خصوصیات بدرجہ اتم موجود ہیں۔ان کی نظمیں ہوں یا غزلیں دونوں ہی صوتی آہنگ کے لحاظ سے مثالی اور یادگار ہیں۔نظم ''خودفریبی'' کے اشعار دیکھیے:

رات کی دیوار اٹھنے دے ابھی　　شمع نومیدی کو جلنے دے ابھی
خشک ہونٹوں کی صدا آنے کو ہے　　بھیگی زلفوں کی ہوا آنے کو ہے(۲۸)

شہریار کی غزلیں صوتی آہنگ کے حوالے سے لاجواب اور خوبصورت ہیں۔شہریار نے مختصر اور طویل دونوں طرح کی بحروں کا انتخاب کیا لیکن ان کے ہاں زیادہ تر مختصر بحروں کے استعمال سے صوتی لے پیدا کی گئی ہے۔یہی وجہ ہے کہ شہریار کی غزلیں گائی بھی گئیں:

تنہائی کی یہ کون سی منزل ہے رفیقو!　　تاحدِنظر ایک بیاباں سا کیوں ہے

☆

کون سی بات ہے جو اس میں نہیں　　اس کو دیکھے مری نظر سے کوئی

شہریار کی شاعری میں جہاں صوتی آہنگ میں رچی ہوئی موسیقیت وغنائیت ہے وہیں یاسیت کی گہری پرچھائیاں بھی موجود ہیں۔ان کی غزلوں اور نظموں دونوں ہی میں ہمیں دردوکرب کی آوازیں سنائی دیتی ہیں اور یہ دردوکرب زندگی سے بیزاری اور عدم اطمینان کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔شہریار جس رنگ میں اپنی زندگی کو دیکھنا چاہتے تھے شاید ویسی نہ ہوسکی اور بہت سی خواہشیں اور آرزوئیں ادھوری رہ گئیں۔یہ صرف

شہریار کا المیہ ہی نہیں بل کہ ہر انسان کا المیہ ہے:

زندگی جیسی توقع تھی نہیں کچھ کم ہے　　ہر گھڑی ہوتا ہے احساس کہیں کچھ کم ہے

☆

جب بھی ملتی ہے مجھے اجنبی لگتی کیوں ہے　　زندگی روز نئے رنگ بدلتی کیوں ہے

شہریار کے ہاں تصورِ وقت اور تصورِ زماں و مکاں کو بھی خاص اہمیت دی گئی ہے۔ شاعر وقت کی بے ثباتی اور تغیر پر کفِ افسوس ملتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ ان کے نزدیک وقت تیزی سے گزر رہا ہے اور اسے روکنا محال ہے:

عجیب چیز ہے یہ وقت جس کو کہتے ہیں　　کہ آنے پاتا نہیں اور بیت جاتا ہے

شاعر نے نظم ''وقت'' میں وقت کا تصور بیان کیا ہے:

نقش ہیں ہم پیروں کے اس کے
جب ہی پیچھے چھوڑ گیا ہے
اپنی راہ چلا جاتا ہے
ہم اور تم احساس کے پتلے
سوچ رہے ہیں
شاید دیکھے مڑ کے ادھر بھی
ہم سادہ نادان نہیں ہے
وہ کوئی انسان نہیں ہے(۲۹)

شہریار کبھی کبھی خود سے ہم کلامی کرتے ہوئے بھی محسوس ہوتے ہیں۔ ان کی شاعری میں خود کلامی کا عنصر موجود ہے۔ انسان کے اندر کی اداسی اور تنہائی اسے خود سے ہم کلام ہونے پر مجبور کرتی ہے۔ جب کوئی دوسرا اسے اپنا نہیں لگتا تو وہ خود کو ہی اپنا ہم نوا اور ہم راز بنا لیتا ہے۔ شہریار کی بہت سی نظمیں خود کلامی کے انداز میں تخلیق کی گئی ہیں جن میں ''خود کلامی''، ''اعتراف''، ''مشورہ''، ''خلیل الرحمٰن کی یاد میں''، ''تنہائی''، ''اپنے سے پہلا مکالمہ'' اور ''اپنے سے دوسرا مکالمہ'' نمایاں ہیں۔ نظم ''خود کلامی'' کے اشعار:

ادھر دیکھو ہوا کے بازوؤں میں
ایک آہٹ قید ہے
گنجان پیڑوں کی قطاروں میں
نئی پگڈنڈیوں کی سونی آنکھیں
نقوشِ پا تمھارے ڈھونڈتی ہیں(۳۰)

شاعر کے سبھی شعری مجموعوں میں حسن وعشق سے وابستہ جذبات کا اظہار بھی ہوا ہے اور یہ اظہار ان کی نظموں اور غزلوں دونوں میں ملتا ہے۔ان کی شاعری میں محبوب کے حسن اور سراپے کا بیان تو موجود ہے لیکن ایسا نہیں جیسا اردو کے کلاسیکی شعرا کے ہاں پایا جاتا ہے۔ وہ عشق کے مضامین کا بیان کافی سنبھلی ہوئی کیفیت کے ساتھ کرتے ہیں ۔وہ حسن وعشق کے موضوع پر بات کرتے ہوئے جنسی جذبات اور جنسی لمس کا رچاؤ ناگزیر سمجھتے ہیں۔شاعر کی غزلوں اور نظموں میں ہمیں جنسی اشارے بھی ملتے ہیں مگر وہ عامیانہ نہیں ہو پاتے (۳۱)۔قاسمی صاحب کے نزدیک ''شہریار کی غزلوں میں جسمانی رشتوں کی باریکیوں کو بعض نئے استعاراتی پیکروں میں تبدیل کر کے پیش کرنے کی مثالیں متعدد مقامات پر ملتی ہیں۔'' (۳۲)انہوں نے دید سے لمس تک کی وارداتوں کو بغیر کسی ہچکچاہٹ کے شعری پیرائے میں بیان کر دیا ہے:

دید سے لمس تک ہمیں کیا کیا نہ تجربے ہوئے　　　　دیکھنے میں اور کچھ تھا وہ چھونے پہ اب کچھ اور ہے

☆

ہونٹوں سے آگے کا سفر بہتر ہے ملتوی کریں　　　　وہ بھی ہے کچھ نڈھال سا میں بھی ہوں کچھ تھکا ہوا

شہریار کی مختصر نظمیں ''لمبے بوسوں کا مرکز'' اور ''جاگنے کا لطف'' بھی جنسی جذبات اور لمس کی اسی کیفیت کی غماز ہیں۔ان کے ہاں جنسی جذبات کی تصویر کشی ڈھکی چھپی لفظیات کی بجائے واضح اور صاف الفاظ میں کی گئی ہے:

وہ صبح کا سورج جو تیری پیشانی تھا
مرے ہونٹوں کے لمبے بوسوں کا مرکز تھا
کیوں آنکھ کھلی، کیوں مجھ کو یہ احساس ہوا
تو اپنی رات کو ساتھ یہاں بھی لایا ہے(۳۳)

☆

ترے ہونٹوں پہ میرے ہونٹ
ہاتھوں کے ترازو میں
بدن کو تولنا
اور گنبدوں میں دور تک بارود کی خوشبو
بہت دن بعد مجھ کو جاگنے میں لطف آیا تھا(۳۴)

انہوں نے محبوب کے ہجر و وصال کی داستانیں بھی بیان کی ہیں،محبوب کے حسن اور معصومیت کا تذکرہ بھی چھیڑا ہے اور زندگی اور الفت کے چولی دامن کے ساتھ کو بھی تسلیم کیا ہے،مگر عشق میں ڈوب

کر زندگی سے کنارا کشی اختیار کرنے کا درس نہیں دیا یہ اشعار ایسے ہی موضوعات کی مثال ہیں:

دام الفت سے چھوٹتی ہی نہیں زندگی تجھ کو بھولتی ہی نہیں

☆

وصل کی صبح کے ہونے میں ہے کچھ دیر ابھی داستاں ہجر کی کچھ اور بڑھا لی جائے

☆

نذرانہ تیرے حسن کا کیا دیں کہ اپنے پاس لے دے کے ایک دل ہے سو ٹوٹا ہوا سا ہے

☆

جہاں میں ہم نے فقط اک تمہی کو چاہا ہے تمہیں خیال نہ آیا یہ دل دکھاتے ہوئے

ایک بات جو شہریار کی عشقیہ شاعری میں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کے عشق میں ٹھہراؤ ہے طوفانی کیفیت نہیں ہے۔ ان کی شاعری میں حسن و عشق کے روایتی قصوں کے بجائے جدت ہے۔ ان کے نزدیک عشق زندگی کا ایک رخ تو ضرور ہے مگر اسے مکمل زندگی نہیں کہا جا سکتا۔ اگر ان کے اسلوب پر بات کی جائے تو ان کا اسلوب سادہ و سلیس، رواں اور عام فہم ہے، لیکن کہیں کہیں علامتوں، استعاروں اور تشبیہات کا خوبصورت اور دلکش استعمال بھی ملتا ہے جو تخیل پردازی کا عکاس ہے۔ ان کی زبان موضوع سے گہری مماثلت رکھتی ہے۔ ہمیں ان کی شاعری کے پرتوں کو سمجھنے میں زیادہ دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا اور ہم آسانی کے ساتھ وہ سب سمجھ جاتے ہیں جو وہ سمجھانا چاہتے ہیں۔ ان کی شاعری پورے شاعر کی شاعری ہے آدھے شاعر کی نہیں ہے۔

۱۹۷۲ء میں خلیل الرحمٰن اعظمی، مغیب الرحمٰن اور وحید اختر نے ''نئی نظم کا سفر'' کے عنوان سے جدید نظم کا ایک انتخاب شائع کیا۔ اس انتخاب کے لیے شہریار کی نظمیں ''نیا امرت''، ''اپنی یاد میں'' اور ''دانہء گندم سے دوری'' منتخب کی گئیں۔ پہلی نظم ''نیا امرت'' شعری مجموعہ ''اسم اعظم'' سے اور باقی دو نظمیں شعری مجموعہ ''ساتواں در'' سے ہیں۔ جب کہ ۱۹۷۴ء سے ۱۹۸۱ء تک ''انڈین کونسل فار کلچر ریلیشنز'' نے چار جلدوں میں ہندوستان کی ۱۴ مقامی زبانوں کی شاعری کے انتخاب کا انگریزی ترجمہ شائع کیا۔ انتخاب میں شہریار کی چھ نظمیں ''ایک لمحے سے دوسرے لمحے تک (اسم اعظم)''، ''فریب در فریب (اسم اعظم)''، ''نیا عذاب نیا دن (اسم اعظم)''، ''دھندلکا (اسم اعظم)''، ''اسٹل لائف (ساتواں در)'' اور ''رات، دن اور پھر رات (ساتواں در)'' شامل تھیں۔

شہریار کی شعری کائنات کی ادبی عظمت کا اعتراف یورپ نے بھی کیا۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں ان کی شاعری کے مقامی زبانوں میں تراجم ہوئے وہیں یورپ کی مختلف زبانوں بلخصوص انگریزی میں وقتاً

فوقتاً تراجم ہوتے رہے۔ان کے شعری مجموعوں کی بڑی تعداد میں دیوناگری لپی میں اشاعت ہو چکی ہے۔ شہریار کی نظموں کا ایک قابل قدر انتخاب انگریزی ترجمہ کے ساتھ رخشندہ جلیل نے کتابی صورت میں "Through The Closed Doorway" کے عنوان سے ۲۰۰۴ء میں شائع کیا تھا۔ان کی منتخب شاعری کے انگریزی تراجم کا ایک اور مجموعہ بیدار بخت اور اینا میری ارکی (Anne Marie Erki) نے "Selected Poetry Of Shahryar" کے عنوان سے ۲۰۱۰ء میں نئی دہلی کی ساہتیہ اکادمی سے شائع کروایا تھا۔(۳۵) جب کہ شہریار کی منتخب شاعری کے انگریزی تراجم بیدار بخت اور لیزلی لاوین نے کتابی صورت میں "The Gateway Of Dreams is Closed" کے عنوان سے ۱۹۹۰ء میں نئی دہلی کی ساہتیہ اکادمی سے شائع کیے۔(۳۶) اس کے علاوہ شہریار کی نظموں کے انگریزی تراجم پر مشتمل ایک اور مختصر رسالہ ''Shahryar Poems'' کے عنوان سے ۲۰۰۳ء میں بھی شائع ہوا یہ تراجم رخشندہ جلیل نے کیے تھے۔(۳۷)

شہریار کی شاعری کے چھ شعری مجموعے اردو ادب میں تا قیامت انہیں زندہ رکھیں گے اور یہی مجموعے ان کی کل شعری کائنات کے درخشاں ستارے ہیں۔حقیقت یہی ہے کہ مجموعہ ''اسم اعظم'' سے شروع ہو کر ''شام ہونے والی ہے'' تک کا شعری سفر ان کی شاعرانہ صلاحیت اور قابلیت کا سفر ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی زندگی کی حقیقی تصویر پیش کرنے کا وسیلہ بھی ہے۔ان کی شاعری ان کی دبی اور پوشیدہ شخصیت اور زندگی کے بارے میں بہت سے پہلو سامنے لانے کا ذریعہ ہے۔جیسے جیسے شہریار کی شاعری کا آغاز سے اختتام تک مطالعہ کرتے جائیں،ایسے ایسے شہریار کی شخصیت اور زندگی کے راز جانتے جائیں۔یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ شہریار جدید اردو شعرا میں اپنی شاعری کے موضوعات، رویوں، لہجوں اور اسلوب کے اعتبار سے انفرادیت کا حامل شاعر ہے۔

☆☆☆☆

حواشی وحوالہ جات

(۱) شہریار، کلیات شہریار، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء، ص ۲۲

(۲) خلیل الرحمٰن اعظمی، نیا عہد نامہ، علی گڑھ: انڈین بک ہاؤس، ۱۹۶۵ء، ص ۱۱۲

(۳) ایضاً، ص ۱۲۵ (۴) شہریار، کلیات شہریار، ص ۴۰ (۵) ایضاً، ص ۶۳

(۶) ایضاً، ص ۲۲ (۷) ایضاً، ص ۱۹ تا ۲۱ (۸) ایضاً، ص ۲۱

(۹) ایضاً، ص ۲۱ (۱۰) ایضاً، ص ۶۵۳ (۱۱) ایضاً، ص ۲۲

(۱۲) ایضاً، ص ۴۷ (۱۳) ایضاً، ص ۲۳ (۱۴) ایضاً، ص ۳۲۸

(۱۵) ایضاً، ص ۳۰ (۱۶) شہریار، کلیات شہریار، فلیپ،

(۱۷) شہریار، میرے حصے کی زمیں، ابوالکلام قاسمی، لاہور: ماورا پبلشرز، باراول، ۲۰۰۲ء، ص ۱۷

(۱۸) ایضاً، ص ۱۷ (۱۹) شہریار، کلیات شہریار، ص ۱۹ (۲۰) ایضاً، ص ۱۷

(۲۱) ایضاً، ص ۶۸۰ (۲۲) ایضاً، ص ۶۷۴ (۲۳) ایضاً، ص ۴۱

(۲۴) ایضاً، ص ۴۲ (۲۵) ایضاً، ص ۳۱

(۲۶) محمد شمس الحق، پیمانۂ غزل (انتخاب شعر)، جلد دوم، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، طبع اول، ۲۰۰۹ء، ص ۳۱۵،

(۲۷) ڈاکٹر وزیر آغا، تخلیقی عمل، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۰ء، ص ۱۱۲،

(۲۸) شہریار، کلیات شہریار، ص ۴۳،

(۲۹) ایضاً، ص ۵۲ (۳۰) ایضاً، ص ۲۵۶ (۳۱) ایضاً، ص ۲۵

(۳۲) شہریار، میرے حصے کی زمیں، ابوالکلام قاسمی، ص ۱۸،

(۳۳) شہریار، کلیات شہریار، ص ۶۸۲، (۳۴)۔ایضاً، ص ۶۸۳،

(۳۵) عمر میمن، محمد، مدیر، اینول آف اردو سٹڈیز، امریکہ: وسکانسن یونیورسٹی میڈیسن، شمارہ ۲۶، ۲۰۱۱ء، ص ۳۴۷،

(۳۶) ایضاً، شمارہ ۱۰، ۱۹۹۵ء، ص ۲۸۶، (۳۷) ایضاً، شمارہ ۱۹، ۲۰۰۴ء، ص ۲۸۷،

❁.....❁.....❁